© rasailojaraid.com

اسلام میں اختلاف کے آداب

عربی سے ترجمہ و تلخیص از جناب عبدالحی ابڑو صاحب
استاذ شعبہ شریعہ و قانون، عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

(۱)

۱۔ اختلاف اور متعلقہ اصطلاحات کی تعریف[1]

ا۔ اختلاف اور خلاف: "اختلاف" اور "مخالفت" عربی الفاظ ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے اس کے کسی قول یا فعل میں الگ راہ اختیار کرے۔ "خلاف" کے لفظ میں "ضد" (برعکس) کے مقابلے میں "عموم" پایا جاتا ہے، اس لیے کہ دو "ضد" (برعکس) لازمی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، جب کہ دو مختلف فیہ چیزوں کے لیے ضروری نہیں کہ ایک دوسرے کے لیے "ضد" (یا ایک دوسرے کا عکس) بھی ہوں۔ عام طور پر کسی بات میں لوگوں کے اختلاف کا نتیجہ چونکہ جھگڑے اور تنازعہ کی صورت میں نکلتا ہے اس لیے مجازی طور پر "اختلاف" کا لفظ تنازعے اور جھگڑے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ (مریم: ۳۷) ترجمہ: "مگر پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے"۔۔۔ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ (ھود: ۱۱۸) ترجمہ: "مگر اب تو وہ مختلف طریقوں پر ہی چلتے رہیں گے"۔۔۔ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ

---

[1] اس سلسلۂ مضامین کا اکثر و بیشتر حصہ ڈاکٹر طہٰ جابر العلوانی کی کتاب "ادب الاختلاف فی الاسلام" کے ترجمہ پر مبنی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُخْتَلِفٍ (ذاریات: ۸) ترجمہ "تمہاری بات (کفار کی) ایک دوسرے سے مختلف ہے"۔

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ - (یونس: ۹۳)

ترجمہ: "یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں"۔

اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ "خلاف" اور "اختلاف" سے مراد کسی بات، رائے، حالت و ہیئت یا کسی موقف میں مطلق مغایرت (یا دوری) ہے۔

فقہاء کے ہاں جو "علم الخلاف" کی اصطلاح مشہور ہے اس سے ایسا علم مراد ہے جس کے ذریعے کسی امام کی استنباط کردہ فقہی جزئیات کو حفظ کیا جاتا ہے اور کسی مخصوص دلیل کے بغیر اس کی مخالف آراء کو رد کر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ اگر ان جزئیات کی پشت پر کوئی دلیل پیش کی جاتی تو ایسا شخص "مجتہد" یا "اصولی" کہلاتا، جب کہ "خلافی" (علم الخلاف کے ماہر) کے لیے فرض یہ کیا جاتا ہے کہ اسے فقہ کے دلائل سے سروکار نہیں ہوتا، بلکہ وہ کسی مسئلے کے حکم کے بارے میں صرف اپنے امام کی رائے کو کافی سمجھتا ہے جسے اس نے اپنی رائے سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح اس کے امام کا قول کسی اور کے قول کو رد کر دینے کے لیے اس کے ہاں کافی دلیل ہے۔

ب - "جدل" اور "علم الجدل": - جب فریقین میں سے دونوں یا کوئی ایک اپنی رائے یا موقف کو قابلِ لحاظ شمار کرتے ہوئے اس کا دفاع کرے، اور دوسروں سے بھی اس رائے کو منوانے یا اختیار کرانے کی کوشش کرے تو ایسی کوشش کو "جدل" کہا جاتا ہے۔

لغوی لحاظ سے "جدل" کا مطلب ہے: تنازع میں غلبہ حاصل کرنے کے طور پر گفتگو کرنا۔ جب کہ "علم الجدل" سے مراد ایسا علم ہے جس کے ذریعے مختلف فقہی اقوال کے دلائل میں تقابل کر کے قابلِ ترجیح قول کو واضح کیا جائے۔

بعض علماء نے "علم الجدل" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "یہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے کسی مطلوبہ غرض کی حمایت و تائید کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، چاہے وہ غرض باطل ہی کیوں نہ ہو، اور اس کی مخالف بات کو ساقط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے وہ حق ہی کیوں نہ ہو"۔[1]

[1] دیکھیے مفتاح السعادۃ ۲/۵۹۹ (مصر) اور التعریفات للجرجانی ص ۶۶ (مصر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِس تعریف میں جدل کے لغوی معنی کا اثر صاف نظر آتا ہے، اس لیے کہ اس تعریف کے مطابق "جدل" ایسا علم ہے جس کی بنیاد مخصوص دلائل پر نہیں، بلکہ یہ ایک ملکہ اور ذہنی استعداد ہے جسے کوئی بھی شخص حاصل کر لے، چاہے وہ قرآن و سنت اور دیگر علوم سے بے بہرہ ہی کیوں نہ ہو۔

ج ۔ شقاق: خلاف اور جدل کے بعد اسی سیاق میں ایک اور لفظ بھی استعمال ہوتا ہے اور وہ ہے "شقاق"۔

جب جھگڑے کا شکار ہونے والے فریقین کے مابین تنازعہ شدت اختیار کر جائے، اور دونوں میں سے ہر ایک حق اور راستی کی تلاش کے بجائے صرف غلبہ حاصل کرنا چاہے، اور مفاہمت اور اتفاق رائے مشکل ہو جائے تو ایسی حالت کو "شقاق" کا نام دیا جاتا ہے۔ "شقاق" کے اصلی معنی یہ ہیں کہ: فریقین میں سے ہر ایک کسی جگہ کے الگ الگ شق (حصے) میں ہو، گویا ایک جگہ دونوں کے لیے ناکافی ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا ۔ یعنی تمھیں میاں بیوی کے درمیان ایسے سخت اختلاف کا ڈر ہو کہ جس کے نتیجے میں ایسا تنازعہ پیدا ہو گا جس سے دونوں کی راہ (یا جگہ) الگ الگ ہو جائے گی۔ دوسری آیت میں بھی "شقاق" کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے: فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ۔

مذموم اور مستحسن اختلاف

مشیتِ ایزدی کا تقاضا تھا کہ لوگوں کو عقل و فہم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف پیدا کیا جائے۔ ان کی زبانیں، رنگ، سوچ اور فکر کے انداز بھی مختلف ہوں۔ ان کا نتیجہ اختلافِ رائے کی صورت میں برآمد ہونا قدرتی امر تھا۔ جیسا کہ ہماری زبانوں، رنگوں اور اشکال میں تنوع پایا جاتا ہے اور یہ اختلاف قدرتِ کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اسی طرح ہماری عقلوں، نقطہ ہائے نظر اور ان سے جنم لینے والی آرا کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایک دلیل ہے۔ بلاشبہہ اس کائنات کی تعمیر و ترقی اور اس میں زندگی کا قیام اس صورت میں ممکن نہ تھا اگر تمام انسان ہر چیز میں یکساں پیدا کیے جاتے۔ لیکن اب ہر ایک اپنے اس کام میں مصروف ہے جس کے لیے اُسے تخلیق کیا گیا ہے: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۔ (ھود: ۱۱۸-۱۱۹) ۔ ترجمہ: "اگر تیرا رب چاہتا تو تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے اور بے راہ رویوں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جن پر تیرے رب کی رحمت ہے۔"

اسلافِ اُمت کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا اور جو آج بھی موجود ہے، وہ اس قدرتی مظہر کا ایک حصہ ہے، اگر اختلاف اپنی مقررہ حدود سے تجاوز نہ کر جاتے اور اپنے آداب و قواعد کا پابند رہے تو یہ ایک مثبت چیز ہے جس کے بے شمار فائدے ہیں۔

مستحسن اختلاف کے چند فوائد

اگر اختلاف اپنی حدود کے اندر رہے اور اس سے تجاوز نہ کر جائے لوگ اختلاف کے آداب و طریق کار کو اپنا لیں تو اس کے کئی ایک مثبت پہلو ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ اگر نیت درست ہو تو ایسے اختلاف کے ذریعے ایک ہی معاملے کے کئی پہلو معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کچھ کسی طور پر شرعی دلائل پر پورے اُترتے ہوں۔

۲۔ ایسے اختلاف کے ذریعے اذہان کی ریاضت و مشق ہوتی ہے، آرا کا تبادلہ ہوتا ہے، مختلف عقلیں جن احتمالات تک پہنچ سکتی ہیں ان تک پہنچنے کے لیے غور و فکر کی راہیں کھلتی ہیں۔

۳۔ ایسے اختلاف کے ذریعے جس شخص کو کوئی واقعہ یا کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اس کے سامنے کئی حل ہوتے ہیں، تاکہ ان میں سے جو اُسے اس لحاظ سے مناسب لگے کہ دین کی آسانی کے تصور سے قریب تر ہو (اس لیے کہ دین انسانوں کی روزمرہ زندگی میں پیش آمدہ مسائل و واقعات کے [illegible] تا ہے) اسے اختیار کرے۔

یہ اور اس طرح کے دیگر بے شمار فوائد اختلاف سے اس وقت حاصل کیے جا سکتے ہیں، جب اختلاف ان حدود و آداب کا پابند رہے، جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اگر ان حدود و قیود کو بالائے طاق رکھا جائے تو یہ اختلاف جھگڑے، ضد اور ہٹ دھرمی کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے نتائج نہایت ہی خطرناک صورت میں نکلتے ہیں، اُمت میں تفرقہ واقع ہوتا ہے، اور اختلاف تعمیر کے بجائے بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے۔

مختلف عوامل کے لحاظ سے اختلاف کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً:

خواہشِ نفس کی بنیاد پر اختلاف

کبھی اختلاف کی بنیاد کسی ذاتی مفاد یا غرض کی تکمیل کے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا شدہ نفسانی خواہش ہوتی ہے۔ یا اپنے علم وفہم اور رفعتِ دانی کی نمود ونمائش کا جذبہ اختلاف کا محرک ہوتا ہے، ایسے اختلاف کی تمام تشکلیں بُری ہیں۔ اس لیے کہ اس میں خواہشِ نفس کا حصّہ تلاشِ حق کے جذبے پر غالب رہتا ہے، جب کہ خواہشِ نفس کبھی بھلائی اور خیر کا سبب نہیں بنتی، اس لیے کہ یہ کفر کی طرف لے جانے والی شیطانی سواری ہے۔

ارشاداتِ ربانی ہیں:

— اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ - (البقرہ ۸۷)

ترجمہ: "یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشِ نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا۔ تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی۔ کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا"

— فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا - (النساء: ۱۳۵)

ترجمہ: "اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو"

— قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَکُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (الانعام -۵۶)

ترجمہ: "کہو، میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا، اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو گیا، راہ راست پانے والوں میں سے نہ رہا"

— وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَيُضِلَّکَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ - (ص -۲۶)

ترجمہ: "اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کے راہ سے بھٹکا دے گی"

— وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ - (المومنون -۷۱)

ترجمہ: "اور حق اگر کہیں اُن کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا"

— وَاِنَّ کَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام -۱۱۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القرون من بعد نوح وکفیٰ بربک بذنوب عبادہ خبیرا بصیرا ... فدمرنٰہا تدمیرًا (بنی اسرائیل)

اور آخر میں یہ بھی سن لیجیے کہ قرآنِ حکیم کا یہ لرزا دینے والا فرمان بھی سرمایہ داروں ہی کے بارے میں ہے کہ:

الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ (التوبہ)

دولت اور دولت مندوں کے اس "ذکرِ خیر" کے بعد آئیے اس طبقہ کی طرف جنہیں قرآن حکیم فقراء و مساکین کے نام سے یاد کرتا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس فقر و مسکنت سے نکالنے کا کیا اہتمام کیا ہے۔

۱۔ دولت پر زکوٰۃ لازم کی تو اس کا اوّلین مصرف انہی کو قرار دیا: انما الصدقات للفقراء والمساکین۔ (التوبہ)

۲۔ مالِ غنیمت اور فئے وغیرہ میں ان کا حصہ رکھا: واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین۔ (انفال)

۳۔ زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ کے علاوہ بھی اغنیاء کے اموال میں ان کا حق ٹھہرایا: فی اموالھم حق للسائل والمحروم۔ لفظ حق کو خاص طور پر نوٹ کریں کیونکہ حق وہ ہوتا ہے جو واجب الادا ہو۔

۴۔ اغنیاء کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دینے کے لیے رکوع کے رکوع وقف کر دیئے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ: لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون کہ جب تک تم خدا کی راہ میں مخلوق کو اپنی محبوب ترین اشیاء نہیں دے دیتے، تمہارے نکوکاری کے دعوے غلط ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید کے ساتھ ساتھ انہیں متنبہ کر دیا گیا کہ اگر انہوں نے ان فقراء و مساکین پر احسان دھرنے یا ان صدقات کی آڑ میں انہیں ذہنی و جسمانی اذیت دینے کی کوشش کی یا انہیں گھٹیا قسم کی اشیاء دے کر حاتم کی قبر پر لات مارنا چاہی تو سارے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ مقصد یہ تھا کہ فقراء و مساکین کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ اگرچہ اسلام کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن قرآن نے انہیں صراحت کے ساتھ منع نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا نظریہ بلا شبہ خواہش نفس ہی کی پیداوار ہو سکتا ہے، اور اس کی طرف بلانے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی زمامِ کار شیطان کے ہاتھ میں ہو۔

۲۔ خواہشِ نفس کی دخل اندازی کو معلوم کرنے کا دوسرا ذریعہ داخلی ہے۔ کسی بھی فکر یا نظریے کے مأخذ کے بارے میں تھوڑی سی سوچ بچار کرتے اور اپنی ذات سے صدق دل سے پوچھ گچھ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم کیا جائے کہ ایسے نظریہ کے حامل شخص کے اردگرد کے حالات کا اس پر کتنا اثر ہے؟ اور اگر یہ حالات تبدیل ہو جائیں تو وہ کس حد تک اپنے اس نظریے پر قائم رہ سکتا ہے؟ کیا کوئی ایسا لاشعوری دباؤ تو موجود نہیں جس نے اسے اس راہ پر چلنے پر مجبور کر دیا ہے؟ اس کے بعد خود اس نظریے کے متعلق تحقیق کی جانی چاہیے۔ اگر اس کے اندر کوئی جھول ہو اور چند جذبات کی بنا پر کبھی مضبوط اور کبھی کمزور ہو جاتا ہو تو سمجھ لیجیے کہ ایسا نظریہ یا نظامِ فکر خواہش نفس کی پیداوار اور شیطانی وسوسہ ہے جس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے خواہشاتِ نفس کی رو میں بہہ جانے سے قبل راہِ حقیقت دکھا دی۔

حق کی بنیاد پر اختلاف

کبھی اختلاف ایسا ہوتا ہے کہ جس میں خواہشِ نفس کا کوئی دخل نہیں، ایسے اختلاف کی بنیاد حق پر ہوتی ہے، علم و عقل اس کے متقاضی ہوتے ہیں اور ایمان اسے فرض قرار دیتا ہے۔ جیسے اہلِ ایمان کا کفر، شرک اور نفاق والوں سے اختلاف ایسا فرض ہے جس سے کوئی مسلمان انحراف نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے ختم کرنے کی دعوت دے سکتا ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد ایمان اور حق پر ہے۔ اسی طرح مسلمان کا کافرانہ اور لادینی عقائد رکھنے والوں کے سامنے (جیسے یہودیت، عیسائیت، بت پرستی اور سوشلزم کے سامنے) اختلاف بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ ان اقوام اور عقائد کے سامنے اختلاف اس بات میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے کہ اس کے اسباب کو ختم کرنے کی (بذریعہ دعوت) کوشش کی جائے، تاکہ لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو جائیں اور اس اختلاف کے اسباب مثلاً کفر، شرک، ہٹ دھرمی، منافقت، برے اخلاق، الحاد و لادینیت، بدعات اور ایسے منکرات کی ترویج و اشاعت کی کوششوں کو چھوڑ دیں۔

اختلاف میں مستحسن اور مذموم دونوں پہلو

یہ ان فقہی جزئیات کے بارے میں اختلاف ہے جن کے حکم کے بارے میں متعدد احتمالات ہو سکتے ہیں، جن میں سے مختلف اسباب اور دلائل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روشنی میں کسی ایک حکم کو ترجیح دی جا سکتی ہو (جن کے بارے میں بحث آگے آئے گی)۔ اس تیسری قسم کی کئی مثالیں ہیں۔ جیسے کسی زخم سے نکلنے والے خون، یا جان بوجھ کر قے کرنے پر وضو کے ٹوٹ جانے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں اختلاف، یا قراءۃ خلف الامام، فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے اور آمین زور سے کہنے کے بارے میں علماء کا آپس میں اختلاف اور اس طرح کی بے شمار مثالیں۔ اختلاف کی اس قسم میں لغزشِ فکر کا بڑا امکان ہے، اس لیے کہ اس میں ممکن ہے کہ خواہشِ نفس تقویٰ کے ساتھ، علم ظن و تخمین کے ساتھ، راجح مرجوح کے ساتھ اور مردود مقبول کے ساتھ مِل جُل جائے۔ ان خطروں سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ ایسے قواعد و ضوابط کی پابندی کی جائے جنہیں اختلاف کی صورت میں فیصل بنایا جا سکے، اور جو اس اختلاف کو کنٹرول کریں۔ ورنہ اختلاف، ضد، ہٹ دھرمی اور جھگڑے کی صورت اختیار کرے گا۔ اور فریقین تقویٰ کے مقام سے خواہشِ نفس کے گڑھے میں جا گریں گے۔ بے ہنگم پن نمودار ہوگا۔ اور شیطان کو اپنے سینگ اُٹھانے کا موقع ملے گا۔

اختلاف کے بارے میں علماء کی رائے

ان تمام باتوں کے باوصف، چند علمائے اُمت نے اختلاف کی تمام اقسام سے بچنے کی تاکید کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اختلاف شر ہے"[۱]۔ امام سبکیؒ فرماتے ہیں:

"...... رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اختلاف نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ - (البقرۃ-۲۵۳)

ترجمہ: "مگر انہوں نے باہم اختلاف کیا، پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔"

اسی طرح سنتِ رسولؐ میں بھی یہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"بلاشبہ بنی اسرائیل کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔"

اس بارے میں بے شمار آیات واحادیث موجود ہیں۔ امام سبکیؒ نے اختلاف کی تیسری قسم (جو ذم و استحسان دونوں کی حامل ہو سکتی ہے)، کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں: "........ اختلاف کی تین

---

[۱] العواصم من القواصم ص ۸۰، [۲] المحصول للرازی جلد ۲ ق ا ص ۴۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسمیں ہیں۔ پہلے بنیادی اصول میں اختلاف، اسی کا ذکر قرآن مجید (کی پچھلی آیات) میں وارد ہوا ہے۔ بلاشبہ ایسا اختلاف بدعت وگمراہی ہے۔ دوسرے آراء اور جنگوں کے بارے میں اختلاف، یہ بھی ناجائز ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے اُمت کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے۔ تیسرے فروع اور جزئیات میں اختلاف، جیسے کسی چیز کے جائز یا ناجائز وغیرہ ہونے میں اختلاف[1] جس کے بارے میں (ان کی رائے کے مطابق) اتفاق رائے سے بہتر ہے۔ امام سبکیؒ نے یہاں اختلاف کی مذمت میں امام ابن حزم ظاہریؒ کے ایک قول کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں انہوں نے کسی بھی اختلاف کو "رحمت" نہیں کہا، بلکہ تمام اختلافات کو عذاب ہی قرار دیا ہے۔

اختلاف کے نقصانات اور خطرات کو جاننے کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ خدا کے نبی ہارون علیہ السلام نے اختلاف کو بتوں کی عبادت سے زیادہ خطرناک اور ضرر رساں شمار کیا ہے۔ جب سامری نے اپنی قوم کی پوجا کے لیے سونے کا ایک بچھڑا تیار کیا اور انہیں کہا کہ "یہ (معاذ اللہ) تمہارا اور موسیٰؑ کا معبود ہے۔" تو حضرت ہارونؑ نے خاموشی اختیار کرلی اور اپنے بھائی (موسیٰؑ) کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ جب موسیٰؑ آئے اور قوم کو بچھڑے کی عبادت میں مشغول پایا تو اپنے بھائی کو سخت ملامت کی۔ یہاں اُن کے بھائی نے یہ عذر پیش کیا کہ: "اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی نہ پکڑ، نہ میرے سر کے بال کھینچ، مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آکر کہے گا کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی، اور میری بات کا پاس نہ کیا۔" (طٰہٰ: ۹۴)۔ تو حضرتِ ہارون نے قوم کے افتراق اور اختلاف کو اس بات کا عذر بنا کر پیش کیا کہ وہ اس کے اندیشے سے انہیں زیادہ سختی سے نہ روک سکے اور مقابلہ نہ کیا۔

(باقی)

---

[1] الابہاج ۱۳/۳

© rasailojaraid.com